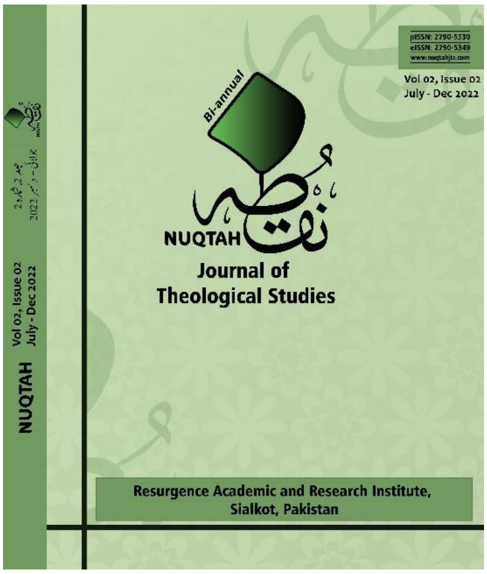

NUQTAH Journal of Theological Studies
Editor: Dr. Shumaila Majeed
(Bi-Annual)
Languages: Urdu, Arabic and English
pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349
https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published By:
Resurgence Academic and Research Institute, Sialkot (51310), Pakistan.
Email: editor@nuqtahjts.com

استحسان بحیثیتِ دلیلِ شرعی
امام شافعیؒ کے مؤقف پر امام جصّاصؒ کی تردید و تنقید

Juristic Preference as Source of Islamic Law
Refutation and Criticism of Imām Jaṣṣāṣ on Imām Shāfa‘ī’s Stance

Prof. Dr. Syed Muhammad Ismaeel
Vice Principal/HOD Department of Islamic Studies,
Govt. Zamindar Graduate College, Gujrat.
sm.ismaeel@gmail.com

Sajida Syed
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
Govt. Zamindar Graduate College Gujrat
PhD Scholar University of Gujrat.
sajidasyed3@yahoo.com

Published online: 30th December 2023

View this issue

OPEN ACCESS
CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:
https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

استحسان بحیثیتِ دلیلِ شرعی
امام شافعیؒ کے مؤقف پر امام جصّاصؒ کی تردید و تنقید

Juristic Preference as Source of Islamic Law
Refutation and Criticism of Imām Jaṣṣāṣ on Imām Shāfa‘ī’s Stance

Abstract

Based upon history of Islamic Jurisprudence, this article expresses the refutation and criticism of Imām Jaṣṣāṣ (RA, d. 370 A.H.) upon Imām Shāfa‘ī’s (RA, d. 204 A.H.) point of view on subsidiary source of Islamic law Istiḥsān (juristic preference or approbation), which helps in understanding the classical theory and gradual development of this principle in medieval period. This discussion entails that by using word Istiḥsān in general, Imām Shāfa‘ī (RA) thought that this meant “to make law according to one’s own will or it is a pleasure seeking”, so he strictly negates to adopt it. Whereas according to the believers of Istiḥsān, the actual spirit behind the principle of Istiḥsān was not clear to Imām Shāfa‘ī (RA) and his successors, whereas they regarded it as law making without any authentic reason, that is why they strongly condemned its believers.

Certainly, based upon personal will or without any authentic reason, Istiḥsān does not qualify at all as a source of Islamic law. There is no difference of opinion among jurists regarding this. For believers, as Imām Jaṣṣāṣ (RA) defines, Istiḥsān is nothing but to depart from obvious analogical reasoning (Qiyās Jalī) and to adopt what is better than it. Imām Jaṣṣāṣ (RA) has stressed upon that our leaders had established this particular term and they were justified in its establishment. By analyzing the work of Imām Jaṣṣāṣ (RA) on Istiḥsān, it can easily be determined that the definitions of Istiḥsān prevailed among Jurists later on, were consisting more or less of same words as were given by Imām Jaṣṣāṣ (RA) in his book of Islamic Jurisprudence “Al-Faṣul-Fil-Uṣūl”. Similarly, other details and different types of Istiḥsān available later on, are also concluded upon the details and types

given by Imām Jaṣṣāṣ (RA), which is an obvious proof of the uniqueness of Imām Jaṣṣāṣ (RA) among jurists having inferential aptitude with deep knowledge and understanding of jurisprudential discussions.

Keywords: Istiḥsān, Analogical Preference, Approbation, Imām Jaṣṣāṣ (RA), Imām Shāfa'ī (RA).

تاریخِ تدوینِ اصول فقہ کی ترتیب کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ائمہ اصولیین کی جو کتب حوادث زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں ان میں سب سے قدیم ترین دستیاب کتاب امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی ''الرّسالہ'' ہے۔ آپ نے اسے حجاز کے مشہور محدث عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (م ۱۹۸ھ) کی فرمائش پر تالیف فرما کر ارسال کیا تھا اس لیے اس کا نام ''الرّسالہ'' پڑ گیا۔ اب یہ آپ کی علم فقہ پر معروف کتاب ''الاُم'' کا مقدمہ ہے۔ جدید تحقیقات کے برعکس اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ اصول فقہ پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے۔ دوسری کتاب امام ابو الحسن علی الکرخیؒ (م ۳۴۹ھ) کی ''اصول کرخی'' ہے جو کہ فقہ حنفی کے چالیس بنیادی قواعدِ اصولیہ اور فقہی کلیات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس کے بعد امام کرخیؒ ہی کے شاگرد اور انہی کی مسندِ حنفی کے وارث امام ابو بکر احمد بن علی الرّازی الجصّاصؒ (م ۳۷۰ھ) کی ''اصول جصّاص'' معروف بہ ''الفصول فی الاصول'' قدیم ترین دستیاب کتاب ہے۔ یہ ضخیم، مفصل اور احناف کے اصول کی نمائندہ و مصدر کتاب ہے جسے امام جصّاصؒ نے ''احکام القرآن'' کے مقدمہ کے طور پر تحریر کیا۔ اس میں امام شافعیؒ کے بیان کردہ اصول و فروع پر علمی انداز سے وافر تردید و تنقید موجود ہے۔

''الرّسالہ'' اور ''الفصول فی الاصول'' دونوں کتابیں ابتدائی حیثیت کی حامل ہیں اور ان میں مقرر بہت سی اصطلاحات آج تک رائج ہیں۔ یہ اُن اُصولی اصطلاحات و عنوانات کی بنیاد ہیں جو بعد میں متاخرین علمائے اصول نے قائم کیے۔ اسی طرح بہت سی اصولی مباحث کی مبادیات و تفصیلات ان کتابوں میں ضرور مل جاتی ہیں۔ ''الرّسالہ'' کی نسبت ''اصول جصّاص'' کا تذکرہ تو کتب اصول میں موجود تھا مگر اس کے نسخے سابقہ ادوار میں نادر اور کمیاب رہے ہیں لیکن ڈاکٹر عجیل جاسم کی کاوشوں سے اب ''الفصول فی الاصول'' مطبوع شکل میں دستیاب ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ان دو اوّلین کتب کی روشنی میں اصولی مباحث کا جائزہ لیا جائے۔ جس کے نتیجے میں احناف اور شوافع کے مابین اصولی اختلافات کو اوّلین دستیاب مصادر کی روشنی میں سمجھا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس مقالہ میں بالکل ابتدائی اعتبار

سے امام شافعیؒ کے مؤقف پر امام جصّاصؒ کی طرف سے، مختلف فیہ دلیلِ شرعی استحسان، کے موضوع پر نقد و استدلال پیش کیا گیا ہے جس سے اس اصول کی تنقیح کے مدارج کا پتا چلتا ہے۔

الفصول فی الاصول میں متعدد مقامات پر امام جصّاصؒ نے امام شافعیؒ کی الرسالہ کی مباحث پر نقد و تبصرہ اور بعض اوقات ان کی آراء کی بڑے سخت انداز میں تردید بھی کی ہے، خصوصاً ان اصولی مباحث میں جو کہ احناف کے مذہب کے خلاف ہیں۔ اس پہلو کی طرف ڈاکٹر عبدالوہاب نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

"ان مما يستوقف الباحث فى كتاب (الفصول) تصدى أبى بكر الرازى لنقد الشافعى ، و بالأحرى محاسبته و محاكمته بصورة صارمة على بعض ما ذهب اليه فى كتاب الرسالة مما يخالفه فيه الأحناف. و ليس ثمت مجافاة للحقيقة أن يقال : ان كتاب الرسالة للامام الشافعى مسائله و موضوعاته كانت فى ذهن الجصاص ، و محل اعتباره و تأمله ، و بالأخص ما يظن فيه تعريضا بموقف أهل الرأى الأحناف،فاذا جاءت المناسبة فى كتابه(الفصول)للنقد والمحاسبة عرج عليه تصريحا أو تلميحا، و ناقشه مناقشة علمية هادئة حينا ، و عنيفة حينا آخر".[1]

"کتاب الفصول کا باحث اس بات پر مطلع ہوتا ہے کہ ابو بکر الرازیؒ اس میں شافعیؒ پر تنقید کے درپے ہیں اور اگر کھل کر کہا جائے تو کتاب 'الرسالہ' کے بعض پہلو جو احناف کے مخالف ہیں ان میں امام شافعیؒ کا شدید محاسبہ اور محاکمہ کیا ہے۔ اس حقیقت بیانی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام شافعیؒ کی کتاب 'الرسالہ' کے مسائل موضوعات، قیاس کرنے اور غور و فکر کرنے کا انداز امام جصّاصؒ کے ذہن میں موجود تھا، خاص طور پر وہ پہلو کہ جن کے بارے میں یہ گمان ہے کہ یہ اہل الرائے (احناف) کے مؤقف پر تعریض یا چوٹ ہیں۔ لہذا جہاں کہیں بھی آپ کی کتاب (الفصول) میں نقد و محاسبہ کا موقع آیا تو صریحاً یا کنایتاً ان پر چڑھائی کر دی۔ یوں کبھی مناقشہ نرمی کے ساتھ بڑے علمی انداز میں کیا ہے اور کبھی بڑی سختی اختیار کی ہے۔"

امام جصّاصؒ کے مذکورہ بالا طرز مناقشہ اور اصول استحسان کی صحت پر علمی نقد و تبصرہ کی تفصیل سے ''الرّسالہ'' اور ''الفصول فی الاصول'' باب الاستحسان کی روشنی میں آگاہی سے پہلے ضروری ہے کہ جمہور ائمہ اصولیین کے نزدیک دلیل شرعی 'استحسان' کا مختصر تعارف حاصل کرلیا جائے۔

استحسان: لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ استحسان 'حسن' بمعنی اچھا سے بنا ہے، اس کا مطلب کسی اچھی چیز کی جستجو کرنا یا (عد الشی حسنا) کسی چیز کو اچھا سمجھنا ہے۔[2] اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے علمائے اصولیین کے نزدیک استحسان کا شمار مختلف فیہ ادلّہ شرعیہ میں ہوتا ہے۔ یہ ان اصولی اصطلاحات میں شامل ہے کہ اختلاف آراء کی وجہ سے جن کے معانی کا تعین اور قابل اطمینان تعریفات کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ کتب اصول میں استحسان کی متعدد اصطلاحی تعریفات منقول ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

علمائے احناف کی تعریفات

امام کرخیؒ کے مطابق:

"وعن الشيخ أبي الحسن الكرخي رحمه الله أن الاستحسان هو أن يعدل الإنسان عن أن يحكم في المسألة بمثل ما حكم به في نظائرها إلى خلافه لوجه أقوى يقتضي العدول عن الأول ويلزم عليه أن يكون العدول عن العموم إلى التخصيص وعن المنسوخ إلى الناسخ استحسانا

"شیخ ابوالحسن الکرخیؒ سے روایت ہے کہ استحسان یہ ہے کہ کسی مسئلے میں انسان کوئی فیصلہ کرے جو ان فیصلوں کے خلاف ہو جو اس جیسے مسئلوں میں اس سے پہلے کیے جا چکے ہیں اور اس مخالفت کا کوئی ایسا قوی ترین سبب موجود ہو جو سابق فیصلوں سے عدول (مختلف فیصلہ یا گریز) چاہتا ہو۔ اور ضروری ہے کہ یہ استحساناً عدول عموم کی تخصیص اور منسوخ کی بجائے ناسخ کی طرف ہو۔"

امام جصاصؒ کے مطابق:

"وأما المعنى الذي قسمنا عليه الكلام بدءا من ضربي الاستحسان : فهو ترك القياس إلى ما هو أولى منه."

"وہ معنی کہ شروع میں جس کے مطابق ہم نے اپنے کلام میں استحسان کی تقسیم کی، وہ چھوڑ دینا ہے قیاس کو اس سے اولیٰ بات میں۔"

امام بزدویؒ فرماتے ہیں:

"الاستحسان هو العدول عن موجب قياس إلى قياس قويّ منه

جس چیز کا قیاس تقاضا کرے اس کو چھوڑ کر اس سے قوی تر قیاس پر عمل کرنا استحسان کہلاتا ہے۔

تخصيص قياس بدليل أقوى منه[3]

کسی قوی تر دلیل کی بنیاد پر کسی قیاس کو خاص کرنے کا نام استحسان ہے۔

قیاس کو ترک کر کے اس چیز کو اختیار کرنا جو لوگوں کے لیے زیادہ موافق ہو۔[4]

مالکی علماء نے استحسان کی تعریف یوں کی ہے:

"وقال ابن العربي في موضع آخر الاستحسان إيثار ترك مقتضى الدليل على طريق الاستثناء والترخص لمعارضة ما يعارض به في بعض مقتضياته.[5]"

ابن عربی مالکیؒ ایک مقام پر استحسان کے متعلق فرماتے ہیں کہ (بعض مسائل میں قیاس) جس دلیل کا متقاضی ہو اس کو استثناء اور رخصت کے طور پر اس لیے ترک کرنے کو ترجیح دینا ہے کہ اس کے کچھ تقاضوں میں اسی دلیل سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔

"استعمال مصلحة جزئية في مقابلة قياس كلى[6]"

جزئی مصلحت کو قیاس کلّی کے مقابلہ میں استعمال کرنا۔

دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل کو اختیار کرنا استحسان ہے۔[7]

حنبلی علماء کے نزدیک:

"العدول بحكم المسألة عن نظائرها لدليل شرعي خاص" [8]

"قوی تر دلیل کی بناپر قیاس جلی کو ترک کرنے کا نام استحسان ہے"۔[9]

استحسان کی اقسام

ان تعریفات سے استحسان کی دو طرح کی اقسام واضح ہوتی ہیں۔

پہلی تقسیم: ایک حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنے کے اعتبار سے اقسام

۱۔ اصل کلی سے کسی جزئی میں استثناء جیسا کہ بچے یا کم عقل کو خیرات یا رفاہی کاموں میں وصیت کی اجازت دینا۔

۲۔ قیاس خفی کو قیاس جلی پر ترجیح دینا جیسا کہ حقوق ارتفاق کا وقف میں تبعاً داخل ہونا۔

دوسری تقسیم: استحسان بلحاظ دلیل جیسا کہ اسے فقہاء وجہ استحسان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۔ **استحسان بالنص:** جس کی سند نص ہو، جیسا کہ بیع السلم اور بیع میں خیار شرط کا جائز ہونا۔

۲۔ **استحسان بالاجماع:** جیسا کہ عقد استصناع معدوم چیز کا معاہدہ ہے لیکن صحابہؓ، تابعین یا فقہاء کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ لہذا اس کے درست ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا۔

۳۔ **استحسان بالعرف:** جس کی سند عرف ہو، جیسا کہ منقولہ اشیاء کتابیں، برتن وغیرہ وقف کرنے کا جواز۔

۴۔ **استحسان بالضرورۃ:** جس کی بنیاد اضطرار یعنی مجبوری ہو، جیسا کہ کپڑوں پر پیشاب کے انتہائی باریک قطروں کا معاف ہونا، نجاست گر جانے والے کنویں سے متعین مقدار میں پانی نکالنے سے اس کا پاک ہو جانا۔

۵۔ **استحسان بالمصلحۃ:** جیسا کہ کپڑے سلنے یا رنگنے کے لئے دینے کے بعد (ارضی یا سماوی آفت کے بغیر) کاریگر سے تلف یا خراب ہو گئے تو بربنائے مصلحت مال کی حفاظت کے لحاظ سے اس پر تاوان کا واجب ہونا۔

۶۔ **استحسان بالقیاس الخفی:** جیسا کہ حقوق ارتفاق کا وقف میں تبعاً داخل ہونا۔ اسی طرح شکار کرنے والے پرندوں کا جھوٹا آدمی پر قیاس کرتے ہوئے پاک ہونا کیونکہ وہ ہڈی کی بنی پاک چونچ سے پانی پیتے ہیں اور یہی قیاس خفی ہے۔

جبکہ شکاری درندوں پر قیاس یعنی قیاس جلی کی رُو سے اسے نجس ہونا چاہئے تھا۔ بعض فقہاء اس کو استحسان بالضرورۃ میں شامل کرتے ہیں۔

استحسان بحیثیتِ دلیلِ شرعی

احناف استحسان کو قیاس خفی بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ قیاس ظاہر سے زیادہ قوی ہوتا ہے[10] اور ادلّہ شرعیہ میں اسے بطور پانچویں دلیل یا مآخذ کے کثرت سے استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ اکثر فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ عبارت درج ہوتی ہے: "الحکم فی ھذہ المسالۃ قیاسا کذا، واستحسانا کذا".[11] (اس مسئلہ میں قیاس کی رو سے یہ حکم ہے اور استحسان کی بنیاد پر یہ کہ) مالکیہ اور حنابلہ بھی اس شرعی دلیل کا اعتبار کیا ہے۔ امام مالک تو یہاں تک فرماتے ہیں: "الاستحسان تسعۃ اعشار العل[12] (دس میں سے نو حصہ علم استحسان ہے)۔ جبکہ امام شافعیؒ استحسان سے استدلال کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور اس بارے میں آپ کا قول مشہور ہے کہ: "من استحسن فقد شرع".[13] "جس نے استحسان کیا اس نے شریعت سازی کی"۔

امام شافعیؒ اور استحسان

استحسان بظاہر ان اصولی موضوعات میں سے ہے جس کا استعمال دوسروں کی نسبت احناف کے ہاں زیادہ معروف ہے۔ اس موضوع کی بنیاد پر احناف کے مخالفین نے بڑی فرصت کے ساتھ اعتراضات کیے ہیں اور اس کا سبب شاید امام ابو حنیفہؒ سے منسوب ایک قول ہے کہ بأنه الحكم بما يستحسنه المجتهد بعقله من غير دليل [14] یعنی استحسان وہ حکم ہے کہ جس کو مجتہد بغیر کسی دلیل کے اچھا سمجھے۔ اس قول کو بنیاد بنا کر احناف پر بہت سے اعترضات کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے استحسان کے اس معنی کے رد میں اپنی کتاب الرسالہ میں ایک بہت بڑے حصے کو مختص کرتے ہوئے باب الاستحسان میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

(1456)"قال هذا كما قلت والاجتهاد لا يكون إلا على مطلوب والمطلوب لا يكون أبدا إلا على عين قائمة تطلب بدلالة يقصد بها إليها أو تشبيه على عين قائمة وهذا يبين أن حراما على أحد أن يقول بالاستحسان إذا خالف الاستحسان الخبر والخبر من الكتاب والسنة عين يتأخى معناها المجتهد ليصيبه كما البيت يتأخاه من غاب عنه ليصيبه أو

قصده بالقياس وأن ليس لاحد أن يقول إلا من جهة الاجتهاد والاجتهاد ما وصفت من طلب الحق فهل تجيز أنت أن يقول الرجل أستحسن بغر قياس (1457) فقلت لا يجوز هذا عندي والله أعلم لاحد وإنما كان لاهل العلم ان يقولوا دون غيرهم لان يقولوا في الخبر باتباعه فيما ليس فيه الخبر بالقياس على الخبر (1458) ولو جاز تعطيل القياس جاز لاهل العقول من غير أهل العلم ان يقولوا فيما ليس فيه خبر بما يحضرهم من الاستحسان (1459) وإن القول بغير خبر ولا قياس لغير جائز بما ذكرت من كتاب الله وسنة رسوله ولا في القياس... ولا يجوز أن يقال لفقيه عدل غير عالم بقيم الرقيق أقم هذا العبد ولا هذه الامة ولا إجازة هذا العامل لانه اذا أقامه على غير مثال بدلالة على قيمته كان متعسفا (1463) فإذا كان هذا هكذا فيما تقل قيمته من المال وييسر الخطأ فيه على المقام له والمقام عليه كان حلال الله وحرامه أولى أن لا يقال فيهما بالتعسف والاستحسان (1464) وإنما الاستحسان تلذذ[15] ..."

"قائل نے کہا: یہ جو کچھ آپ نے کہا ٹھیک ہے کہ اجتہاد کسی مطلوب کے لیے کیا جاتا ہے، اور اجتہاد کے ذریعے کسی متعین شے یا جو اس کے مشابہ ہو اس کی جانب قصد کرنا مطلوب ہوتا ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ استحسان کا قول اختیار کرے خصوصاً جبکہ استحسان حدیث کے مخالف ہو اور کتاب و سنّت سے جس شے کی اطلاع ملے وہاں مجتہد پر یہ فرض ہوتا ہے کہ اپنی کوشش کے ذریعہ حق تک پہنچے، تاکہ صحیح طریقہ سے اس کو حاصل کر سکے، جیسا کہ بیت اللہ کے مسئلہ میں جس شخص کی نظر سے بیت اللہ غائب ہو، تو صائب حل تک پہنچنے کے لیے اجتہاد لازم ہے، خواہ وہ قیاس ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو، اور یہ درست نہیں ہے کہ کوئی شخص بغیر اجتہاد کے کچھ کہہ دے، اجتہاد کا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا (کہ بذریعہ کوشش کے) حق کو طلب کرنا، اب آپ اس کو جائز خیال کریں گے کہ ایک شخص بغیر قیاس کا طریقہ اختیار کئے یہ کہہ دے کہ مجھے (اس جانب منہ کرنا) اچھا معلوم ہوتا ہے (اس لئے میری جانب قبلہ یہی ہو گا)؟ میں نے کہا: میرے نزدیک تو یہ کسی کے لیے جائز نہیں، البتہ اہلِ علم پر یہ فرض ہے کہ جہاں کوئی حدیث موجود نہ ہو تو وہ کسی حدیث پر قیاس کر کے کوئی حکم دے دیں، لیکن غیر اہل علم کو یہ حق نہیں پہنچتا، اور ان اہلِ علم کے حق میں یہ قیاس علی الخبر بھی اتباعِ حدیث ہی سمجھا جائے گا اور اگر قیاس کے طریقہ کو معطل کر دیا جائے تو پھر اہل علم کے علاوہ عامۃ الناس کے لیے بھی یہ جائز ہو جائے گا کہ جہاں کوئی حدیث موجود نہ ہو وہاں اپنے نزدیک کسی حکم کو بہتر سمجھ کر اس کے قائل ہو جائیں، اور میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ (قیام

حجّت کے لئے) پہلے کتاب اللہ ہے، پھر سنّتِ رسول ﷺ، پھر قیاس، اب بغیر حدیث و قیاس کے کسی حکم کا قائل ہونا جائز نہیں ہے... لہذا جب ایک قلیل القیمت کے حق میں خطا کر جانا آسان ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حلال یا حرام کیا ہوا اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس میں تعسّف اور استحسان اختیار نہ کیا جائے، استحسان در حقیقت لذت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے...[16]

یہاں امام شافعیؒ کا مقصد حسی دلیل کے ذریعہ استحسان کو باطل قرار دینا ہے، کہ استحسان کا عمل ایک جرم ہے بالکل اسی طرح جیسے آپ کسی ایسے عالم وفقیہ سے جو تجارت کے لین دین و بازاری اشیاء کی قیمتوں کا کوئی تجربہ نہ ہو، آپ کسی غلام یا باندی کی قیمت کا اندازہ کرنے کو کہیں اور وہ جس طرح دل میں آئے اور اس کو اچھا معلوم ہو اندازہ کر دے۔ محمد ابو زہرہ کے بقول امام شافعیؒ کی کتاب ''ابطال الاستحسان''، ''کتاب الاجماع'' اور ''الرسالہ'' میں اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ ہر وہ اجتہاد جو کتاب وسنت، اثر و اجماع یا قیاس پر مبنی نہ ہو استحسان کہلاتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں مجتہد کسی دلیل یا دلالۃ النص کی رو سے فیصلہ نہیں کرتا بلکہ جسے مستحسن خیال کرتا ہے اس کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ استحسان اجتہاد باطل کی ایک قسم ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔[17]

امام جصّاصؒ اور استحسان

امام ابو حنیفہؒ کی جانب منسوب اس قول (استحسان وہ حکم ہے کہ جس کو مجتہد بغیر کسی دلیل کے اچھا سمجھے) کی نسبت سے تمام احناف نے چاہے وہ متقدمین ہوں یا متاخرین، یکساں طور پر انکار کیا ہے اور اس قول سے برأت کا اظہار کیا ہے۔[18] لیکن امام ابو بکر جصّاصؒ احناف کی طرف سے اس قول کے دفاع اور ان کے اس مؤقف کی وضاحت کے درپے نظر آتے ہیں۔ اس بحث کی باریکی میں جاکر موضوع کی علمی انداز میں تحلیل و تجزیہ اور محل نزاع متعین کرنے کی بجائے جصّاص بحث کے شروع میں یہ بات ثابت کرنے لگتے ہیں کہ آیا لفظ استحسان بولنا صحیح ہے یا نہیں۔ پھر معارض کا مؤقف متعین کرنے کہ آیا اس کا اعتراض اس لفظ پر ہے یا معنی پر؟ جیسا کہ لفظ کے بولنے پر اعتراض تو نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی کی اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا کرتا اور ہر مکتب فکر کو الفاظ کے استعمال اور ان کی مناسب تعبیر بیان کرنے کا حق حاصل ہے جن سے ان کا مقصد واضح ہوتا ہو۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی اپنی بحث کے شروع میں امام جصّاصؒ نے وضاحت کی ہے۔ آپ نے استحسان کی بحث کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

"قال أبو بكر : تكلم قوم من مخالفينا في إبطال الاستحسان حين ظنوا أن الاستحسان حكم مما يشتهيه الإنسان و يهواه ، أو يلذه ، ولم يعرفوا معنى قولنا في إطلاق لفظ الاستحسان . فاحتج بعضهم في إبطاله بقول الله تعالى : { أيحسب الإنسان أن يترك سدى [19]} وروي : أنه الذي لا يؤمر ولا ينهى ، قال : فهذا يدل على أنه ليس لأحد من خلق الله تعالى أن يقول بما يستحسن ، فإن القول (بما يستحسنه شيء يحدثه لا على مثال معنى سبق) فهذا يدل على أنه لم يعرف معنى ما أطلقه أصحابنا من هذا اللفظ ، فتعسفوا القول فيه من غير دراية".[20]

ابو بکر کہتے ہیں: ہمارے مخالفین میں سے کچھ لوگوں نے استحسان کے ابطال پر گفتگو کی ہے، یہاں تک کہ انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ استحسان انسانی چاہت، خواہش اور لذّت کے مطابق حکم لگانے کا نام ہے۔ حالانکہ انہوں نے ہمارے ''استحسان'' کے لفظ کو بولنے کا معنی ہی نہیں سمجھا۔ان میں سے بعض نے قول باری تعالیٰ(أيحسب الإنسان أن يترك سدى)سے اسے باطل قرار دینے کے لیے استدلال کیا ہے اور روایت کیا گیا کہ 'سُدٰی' وہ ہوتا ہے کہ جس کو نہ حکم کیا جائے اور نہ منع کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ، وہ بات کہے جسے مستحسن سمجھے، جیسا کہ قول(بما يستحسنه شيء يحدثه لا على مثال معنى سبق)یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس معنی کو نہیں سمجھا جو ہمارے حضرات نے اس لفظ کو بول کر مراد لیا ہے، یعنی بغیر درایت کے ناسمجھی سے اس معاملہ میں بات کرتے ہیں۔

امام جصّاصؒ نے اپنے مخالفین یعنی شوافع کی ناسمجھی کو انہی کی بیان کردہ دلیل سے واضح کیا ہے۔ آپ کو استحسان کی تائید اور مخالفین کا رد کرنے پر جس بات نے ترغیب دی وہ یہ تھی کہ آپ کو شہر السلام کے بعض قاضیوں نے بتایا کہ ابراہیم بن جابر جو کہ بڑا صاحب علم شخص تھا اور اس نے اختلاف الفقہاء پر کتب بھی لکھی تھیں، وہ قیاس کا قائل ہونے کے بعد اس کا منکر ہو گیا تھا۔ جب اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا:

"(قال فقلت) له: ما الذي أوجب عندك القول بنفي القياس بعدما كنت قائلا بإثباته ؟ فقال : قرأت إبطال الاستحسان للشافعي فرأيته صحيحا في معناه ، إلا أن جميع ما احتج به في إبطال الاستحسان هو بعينه يبطل القياس ، فصح به عندي بطلانه".[21]

اس نے کہا کہ میں امام شافعیؒ کی کتاب ابطال الاستحسان پڑھی تو میں نے اس کو معنی کے لحاظ سے صحیح سمجھا وہ سارے دلائل جن کے ذریعے انہوں نے استحسان کے باطل ہونے کو ثابت کیا ہے تو بعینہ وہی دلائل قیاس کو بھی باطل قرار دیتے ہیں تو میرے نزدیک قیاس کا باطل ہونا بھی صحیح ہوا۔

پھر اس کے بعد استحسان کے حجّت ہونے اور لفظ استحسان کے اطلاق کے جواز پر یوں گفتگو فرماتے ہیں:

"وجميع ما يقول فيه أصحابنا بالاستحسان فإنهم إنما قالوه مقرونا (بدلائله وحججه) لا على جهة الشهوة واتباع الهوى، ووجوه دلائل الاستحسان موجودة في الكتب التي عملناها في شرح كتب أصحابنا ، ونحن نذكر ههنا جملة، نفضي بالنظر فيها إلى معرفة حقيقة قولهم في هذا الباب بعد تقدمة بالقول في جواز إطلاق لفظ الاستحسان".[22]

اور تمام وہ مسائل جن میں ہمارے اصحاب نے استحسان کی بنیاد پر حکم بیان کیا ہے تو وہ حجّت اور دلیل کی بنیاد پر کہا ہے، نہ کہ ذاتی خواہش اور اتباع نفس کی بنیاد پر، اور استحسان کے دلائل کی وجوہ ان کتابوں کے اندر موجود ہیں جنہیں ہم اپنے اصحاب کی کتب کی شروح میں جان چکے ہیں، ہم یہاں اس باب میں ان کے قول کی حقیقت کی طرف غور و فکر کے لیے اس کا تھوڑا سا ذکر، لفظ استحسان کے اطلاق کے جواز کے قول کے بعد ذکر کریں گے۔

لفظ استحسان کے اطلاق کے جواز پر طویل بحث کرنے کے بعد اپنی بحث کے دوسرے حصّے میں استحسان کے معنی متعین کرتے ہوئے باب القول في ماهية الاستحسان و بيان وجوهه کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔ اس میں احناف کے مؤقف کی وضاحت امام جصّاصؒ کے درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

"لفظ الاستحسان يكتنفه معنيان أحدهما : استعمال الاجتهاد وغلبة الرأي في إثبات المقادير الموكولة إلى اجتهادنا وآرائنا ، نحو تقدير متعة المطلقات قال الله تعالى : { ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين } ، فأوجبها على مقدار يسار الرجل

وإعساره ، ومقدارها غير معلوم إلا من جهة أغلب الرأي وأكبر الظن ... فيسمي أصحابنا هذا الضرب من الاجتهاد استحسانا ، وليس في هذا المعنى خلاف بين الفقهاء ، ولا يمكن أحدا منهم القول بخلافه وأما المعنى الذي قسمنا عليه الكلام بدءا من ضربي الاستحسان : فهو ترك القياس إلى ما هو أولى منه وذلك على وجهين : أحدهما : أن يكون فرع يتجاذبه أصلان يأخذ الشبه من كل واحد منهما ، فيجب إلحاقه بأحدهما دون الآخر ، لدلالة توجبه ، فسموا ذلك استحسانا (إذ لو) لم يعرض للوجه الثاني لكان له شبه من الآخر يجب إلحاقه به ... وأما الوجه الثاني منهما : فهو تخصيص الحكم مع وجود العلة . وفيه خلاف بين الفقهاء سنذكره بعد فراغنا من بيان وجوه الضرب الأول مما قسمنا عليه الكلام آنفا ، فنقول : إن نظير الفرع الذي يتجاذبه أصلان ملحق بأحدهما دون الآخر ، ما قال أصحابنا في الرجل يقول لامرأته : إذا حضت فأنت طالق ، فتقول : قد حضت ، أن القياس أن لا تصدق حتى يعلم وجود الحيض منها ، أو يصدقها الزوج ، إلا أنا نستحسن فنوقع الطلاق ... إن الاستحسان الذي هو تخصيص الحكم مع وجود العلة ، أنا متى أوجبنا حكما لمعنى من المعاني قد قامت الدلالة على كونه علما للحكم ، وسميناه علة له ، فإن إجراء ذلك الحكم على المعنى واجب حيثما وجد ، إلا موضعا تقوم الدلالة فيه على أن الحكم غير مستعمل فيه مع وجود العلة التي من أجلها وجب الحكم في غيره ، فسموا ترك الحكم مع وجود العلة استحسانا . وقد يترك (حكم) العلة تارة بالنص ، وتارة بالإجماع ، وتارة بقياس آخر يوجب في الحادثة حكما سواه ، وإلحاقها بأصل غيره".[23]

*لفظ 'استحسان' دو معانی کا احاطہ کرتا ہے، ایک اجتہاد کا استعمال اور اجتہاد و آراء میں مفوّضہ استطاعت کے ثبوت میں رائے کا غلبہ، جیسا کہ مطلقات کو متعہ دینا استطاعت پر ہے، کے بارے میں قول باری تعالیٰ (*ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين [24]*) تو اس نے واجب کر دیا انسان پر اسی قدر جتنا انسان آسانی یا قدرے مشکل سے کر سکے۔ اور اس کی مقدار غیر معلوم ہے، سوائے اس کے کہ اس میں غالب رائے اور قوی گمان کی ایک جہت موجود ہے... تو ہمارے ساتھیوں نے اس قسم کا نام اجتہاد استحسان رکھا ہے۔ اس معنی میں فقہاء کے مابین اختلاف نہیں ہے۔ اور کسی کے لیے اس بات کے خلاف کہنا ممکن بھی*

نہیں۔ جبکہ وہ معنی کہ شروع میں جس کے مطابق ہم نے اپنے کلام میں استحسان کی تقسیم کی، وہ چھوڑ دینا ہے قیاس کو اس سے اولیٰ بات میں۔ اور اس کی دو جہتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ وہ فرع دو اصلوں کی جاذب ہو، ان دونوں میں سے ہر ایک میں شبہ کی وجہ سے، تو ضروری ہے کہ کسی اور شے کی بجائے انہی دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اسے جوڑا جائے، دلالت موجبہ کی وجہ سے، پس انہوں نے اس کا نام استحسان رکھا۔ اگر اس کو وجہ ثانی کے اوپر منطبق نہ کیا جائے تو یہ دوسرے کے ساتھ مشابہ ہو جائے گا، تو یہ اس کے ساتھ اس کو ملانا واجب ہو جائے گا۔

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے تو وہ علّت کے وجود کے ساتھ حکم کو مخصوص کرنا ہے۔ اور اس کے درمیان فقہاء میں اختلاف ہے، عنقریب اس کو ہم پہلی قسم کی وجوہ کے بیان سے فارغ ہو کر ذکر کریں گے جس پر ہم نے کلام کو بھی تقسیم کیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ فرع کی مثال جو دو اصلوں کی متجاذب ہو وہ دوسری کو چھوڑ ایک کے ساتھ ملحق ہو گی دوسری کے ساتھ نہیں، جیسا کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے ایسے آدمی کے بارے میں جو اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے۔ تو وہ کہتی ہے کہ مجھے حیض آ گیا۔ بے شک قیاس اس وقت تک تصدیق نہیں کرے گا جب تک کہ اس سے حیض کا وجود نہ جان لیا جائے یا خاوند اس کی تصدیق نہ کر دے، سوائے اس کے کہ ہم اس کو مستحسن قرار دے دیں اور طلاق واقع کر دیں...

بے شک استحسان جو کہ علّت کی موجودگی میں حکم کی تخصیص ہے، جب ہم معانی میں سے کسی معنی کے لیے حکم واجب کر لیتے ہیں تو ایک حوالہ سے حکم کے معلوم ہونے کی دلالت قائم ہو جاتی ہے، ہم اسے اس کی علّت کا نام دیتے ہیں، جونہی وہ معنی پایا جائے اس معنی پر حکم کا اجراء واجب ہے سوائے یہ کہ کسی موقع پر یہ دلالت قائم ہو جائے کہ اس معنی میں یہ حکم مستعمل نہیں ہے۔ اس علّت کے وجود کے ساتھ جس نے کسی اور وجہ سے اس کے علاوہ میں حکم کو واجب کیا، پس علّت کی موجودگی کے باوجود استحساناً اس حکم کو ترک کیا، اور کبھی علّت کے حکم کو

نص ؓ کی بنیاد پر ترک کرتے ہیں کبھی اجماع، کبھی کسی اور قیاس کی بنیاد پر جو اس واقعہ میں اس کے علاوہ حکم ہو اور اس کو بغیر اصل کے ملایا ہو۔

حاصل مطالعہ

اس بحث کے احاطہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استحسان کا لفظ مطلق استعمال کرنے سے بعض علماء بالخصوص امام شافعیؒ یہ سمجھے کہ اس کا مطلب شریعت میں اپنی خواہش سے قانون بنانا ہے اس لیے انہوں نے اس کا انکار کیا۔ جبکہ استحسان کے ماننے والوں کے نزدیک اس کی جو حقیقت و مراد ہے وہ اُن پر واضح نہیں ہو سکی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کو بلا کسی دلیل قانون سازی سمجھنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر رکیک حملے شروع کر دیئے اور اس کے بارے مذکورہ سابق نامناسب باتیں کہیں۔

خواہش نفس کی بنیاد پر یا بلا کسی دلیل کے استحسان قطعی طور پر شرعی مأخذ نہیں ہے اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اس قسم کے استحسان کو استحسان کہنا ممکن ہو تو جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے، ان کا یہ انکار استحسان کی اسی قسم پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ ہم اس کی حقیقت سمجھ چکے ہیں۔ استحسان، اس کے ماننے والوں کے نزدیک، اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ یہ ایک دلیل کو دوسری دلیل پر ترجیح دینے کا نام ہے۔ اس لئے علماء کے درمیان اس قسم کی چیز اختلاف کا موضوع نہیں بننا چاہیئے یوں بھی استحسان میں ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاتی جو نزاع کے قابل ہو۔[25]

استحسان ان اصولی اصطلاحات میں شامل ہے کہ اختلاف آراء کی وجہ سے جن کے معانی کا تعین اور قابل اطمینان تعریف کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ اسی لیے امام شافعیؒ اور ان کے پیروکار اسے شرعی اصول تسلیم کرنے میں انتہائی متردد نظر آتے ہیں۔ ایسے میں امام جصّاصؒ نے انتہائی صحت کے ساتھ استحسان کی لغوی و اصطلاحی تعریف کا بطور خاص اہتمام کیا اور مخالف فریق کے دلائل کو، تردید سے پہلے، الگ سے مستقل بحث کی حیثیت سے بیان کیا۔ پھر امام جصّاصؒ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہمارے اکابر نے اصول فقہ میں یہ خاص اصطلاح وضع کی ہے، جس میں وہ حق بجانب ہیں۔ جیسا کہ اصطلاح کے قائم کرنے میں کسی صورت بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا بلکہ تفہیم و تشریح کے اعتبار سے معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔

آپ نے استحسان کی باریکیوں، پیچیدگیوں، اقسام اور ترک استحسان کی صورتوں کو انتہائی سلجھے اور منظم انداز میں پیش کیا ہے تاکہ اس سے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ امام جصّاصؒ کے اصولی منہج کی خصوصیت ہے کہ آپ لغوی واصطلاحی حدود و تعریفات کا اہتمام انتہائی مؤثر طریقے سے کرتے ہیں۔ یہ اثر آپ کے بعد اصولیین کی تالیفات میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، جیسا کہ استحسان کی جو تعریفات بعد میں اصولیین کے ہاں منقح شکل میں رائج ہوئیں وہ کم و بیش انہی الفاظ اور مفاہیم پر مشتمل ہیں جو "الفصول فی الاصول" میں امام جصّاصؒ کی بیان کردہ تعریف سے واضح ہوتے ہیں۔ اسی طرح استحسان کی اقسام اور متعلقہ دیگر تفصیلات بھی امام جصّاصؒ ہی کی بیان کردہ تفصیلات پر منتج نظر آتی ہیں۔ یہ تفصیلات امام جصّاصؒ کے اصولی مباحث میں منفرد مقام اور بے پناہ درک کی واضح دلیل ہیں۔

مصادر اور مراجع:

[1] ابو سلیمان عبدالوھاب ابراھیم، الفکر الاصولی: دراسۃ تحلیلیۃ نقدیۃ (جدہ: دار الشروق، طبع دوم، ۱۹۸۴ء)، ۱۴۱ .

Abu Sulemān, ‘Abdul Wahhāb Ibrāhīm, Al-Fikar-Ul-Uṣulī: Dirāsah Tahlīlyah Naqadiyah (Jaddah: Dar Al-Shurūq, 2nd ed, 1984), 141.

[2] بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی، البحر المحیط (مکۃ المکرمۃ: مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الإسلامی)، ۶: ۸۷؛ نجم الدین أبو الربیع سلیمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، شرح مختصر الروضة، المحقق: عبد الله بن عبد المحسن التركي (بيروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۷ھ — ۱۹۸۷م)، ۳: ۱۹۰؛ محمد زکریا البردیسی، اصول الفقہ (قاھرۃ: مطبعۃ دار التألیف، ۱۳۸۱ھ-۱۹۶۱م)، ۳۰۵؛ امام علاء الدین عبدالعزیز البخاری، کشف الأسرار عن اصول فخر الإسلام البزدوی (بیروت: دار الکتاب العربي، الثالثۃ، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷م)، ۵: ۴؛ عبدالکریم زیدان، الوجیز فی اصول الفقہ (بغداد: مطبعۃ سلمان الأعظمی، ۱۳۹۳ھ-۱۹۷۳م)، ۳۶۶.

Badr-Ud-Din Muhammad b. Bahadur b. Abdullah Al-Zarkashī, Al-Baḥr Al-Muḥīṭ (Makka-al-Mukarimah: Markaz Al-Baḥth Al-‘ilmī wa Aḥyāe Al-Turāth Al-Islāmī), 6:87; Najam Al-Dīn Abu Al-Rabī‘ Sulymān b. ‘Abdul Qawī b. Al-Karīm Al-Ṭūfī Al-Ṣarṣarī, Sharah Mukhtasir Al-Rawḍah, ed. ‘Abdullah b. ‘Abdul Mohsin Al-Turkī (Baīrūt: Mwasasah Ar-Risālah, 1987), 3: 190; Muhammad Zakariyā Al-Bardīsī, Uṣūl-Al-Fiqh (Cairo: Maṭba‘ah Dār Al-Talīf, 1961), 305; Imām ‘Alā-Ud-Dīn ‘Abdur ‘Azīz Al-Bukhārī, Kashaf Al-Asrār ‘An ‘Usūl-e-Fakhr-ul-Islām Bazdawī (Beirut: Dār Al-Kitāb Al-‘Arabī, 3rd ed, 1997), 4:5; ‘Abd-al-Karīm Zaidān, Al-Wajīz Fī Uṣūl-Al-Fiqh (Baghdād: Salmān Al-A‘zamī, 1973), 366 .

[3] ایضاً، ۴: ۲۱۲؛ محمد بن علی الشوکانی، اشاد الفحول (مصر: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۶ھ-۱۹۳۵م)، ۲: ۲۶۰.

Ibid, 4:212; Muhammad Bin ‘Alī, Irshād Ul Faḥūl Al-Shawkānī (Egypt: Maṭb‘aah Muṣṭfā Al-Bābī Al-Ḥalabī, 1935), 2:260.

[4] شمس الأئمۃ السرخسی، المبسوط (مصر: مطبعۃ السعادۃ ۱۳۲۴ھ)، ۱۰: ۱۴۵.

Shams-al-Aimmah Al-Sarkhasī, Al-Mabsūṭ (Egypt: Maṭb‘aah Al-S‘adah 1324 AH), 10:145.

[5] أبو إسحاق ابراھیم بن موسی الشاطبی، الاعتصام (مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری)، ۲: ۱۳۹۔

Abū Isḥāq Ibrāhīm Bin Mūsā Al-Shāṭabī, Al-I‘tṣām (Egypt: Al-Maktabah Al-Tajāriyah Al-Kubrā), 2:139.

6 محوّلہ بالا۔

Ibidem.

7 الصرصري، شرح مختصر الروضة، ۳:۱۹۸۔

Al-Ṣarṣarī, Sharah Mukhtasir Al-Rawḍah, 3:198.

8 عبدالقادر بن أحمد، المدخل إلى مذهب الإمام أحمد بن حنبل (لبنان: مؤسسة الرسالة، الثانية، ۱۴۰۱ھ)، ۲۹۱۔

‘Abd-Ul-Qādir Bin Aḥmad, Al-MadKhal Ilā Mazhab Al-Imām Aḥmad Bin Ḥambal (Lebanon: Moassah Al-Risālah, 2nd ed. 1401 AH), 291.

9 عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، اصول مذہب الامام احمد بن حنبل (مصر: مطبعة جامعة عين شمس ۱۳۹۴ھ)، ۵۱۲.

‘Abdullah Bin ‘Abdul Mohsin Al-Turkī, Uṣūl Mazhab Al-Imām Aḥmad Bin Ḥambal (Egypt: Maṭba‘ah Jāmi‘ah ‘Ain Al-Shams 1394 AH), 512.

10 عبیداللہ بن مسعود صدر الشریعة، التوضيح في حل غوامض التنقيح (مصر: طبعة المطبعة الخيرية، ۱۳۲۲ھ)، ۲:۸۲؛ کشف الاسرار، ۴:۱۱۸۴۔

Ubaid ullah b. Masud Ṣadr Al-Sharī‘ah, al-Tawḍīḥ fi Hal Ghawamiz al-Tanqih (Egypt: Ṭab‘at Al-Maṭb‘at Al-Khairiyah, 1322 AH), 2:82 ; Kashaf-Ul-Asrār, 4:1184.

11 أبوالحسن علی برھان الدین المرغینانی، الھدایۃ الاولین، کتاب الطھارۃ (کراچی: قرآن محل) ۱:۴۱؛ الھدایۃ الآخرین، کتاب القسامۃ، ۴:۴۲۲-۴۲۳؛ حجۃ اللہ البالغۃ، باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء، ۱:۳۶۰۔

Abu Al-Hasan ‘Alī Burhan al Dīn Al-Marghīnānī, Al-Hidāyah (Karachi: Qurān Mahal), Kitāb Al-Ṭahārah, 1:41, Kitāb Al-Qasāmah, 4:422-423; Ḥujjatullāh al-Bālighah, Bāb Asbāb Ikhtilāf Mazāhib Al-Fuqhā, 1:360.

12 محمد ابوزھرۃ، امام مالک حیاتہ واثرہ وآرائہ وفقھہ، اردو ترجمہ: عبیداللہ قدسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز)، ۳۵۲۔

Muhammad Abu Zuhrah, Imām Malik Hayātohu Wa Atharohu wa Āarāohu Wa Fiqhohu, Urdu Trans. ‘Ubaidullah Qudsī (Lahore: Shaikh Ghuām ‘Alī & Sons), 352.

13 ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، المستصفیٰ (بیروت: دارالمعرفۃ، ۱۳۲۴ھ)، ۱:۱۳۷.

Abu Ḥāmid Muhammad bin Muhammad Al-Ghazālī, Al-Mustaṣfā (Bairūt: Dār Al-M‘rifah, 1324 AH), 1:137.

14 علاء الدين ابوالحسن علي بن سليمان المرداوي الحنبلي، التحبير شرح التحرير، تحقيق: عبدالرحمن الجبرين، عوض القرني، أحمد السراح (الرياض: مكتبة الرشد، ۱۴۲۱ھ—۲۰۰۰م)، ۸:۳۸۲۲۔

‘Alāuddīn, Abī Al-Ḥasan ‘Alī Bin Sulemān Al-Mardāwī Al-Ḥanbalī, Al-Taḥbīr Sharḥ Al-Tahrīr, edited by: ‘Abdurraḥmān Al-Jbrain, ‘Awḍ Al-Qaranī, Aḥmad Al-Saraḥ (Riyadh: Al-Rushd Publisher, 2000), 8:3822.

15 محمد بن ادریس الشافعی، الرسالۃ، تحقیق: احمد محمد شاکر (مصر: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۸ھ-۱۹۴۰م)، ۵۰۳-۵۰۵.

Muhammad Bin Idrīs Al-Shāf‘ī, Al-Risālah, Edited by: Aḥmad Muhammad Shākir (Egypt: Musṭafā Al-Bābī Al-ḥalabī Publishers 1940), 503-505.

16 محمد بن ادریس الشافعی، کتاب الرسالہ یعنی اصول فقہ وحدیث، اردو ترجمہ: مفتی امجد العلی (کراچی پاکستان: ادارہ تحقیقات اسلامی، محمد سعید اینڈ سنز، ۱۹۶۸ء)، ۲۹۴-۲۹۵۔

Muhammad Bin Idrīs Al-Shāf‘ī, Al-Risālah, Urdu Translation by Muftī Amjad Al-‘Alī (Karachi: IRI, Muḥammad Sa‘īd & Sons, 1968), 294-295.

17 محمد ابو زھرۃ، الشافعی حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقھہ، اردو ترجمہ: سید رئیس احمد جعفری (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز)، ۴۳۱۔

Muhammad Abu Zuhrah, Al-Shāf'ī Hayātohu Wa Asarohu wa Āarāohu Wa Fiqhohu, (Cairo: Dār Al-Fikar Al-'Arabī 1948), Urdu Trans. Sayyed Raīs Aḥmad J'afarī (Lahore: Shaikh Ghulām 'Alī & Sons), 431.

18 الزرکشی، البحر المحیط فی اصول الفقہ، ۴: ۳۹۲؛ الفکر الاصولی، ۱۴۹۔

Al-Zarkashī, Al-Baḥar Al-Muḥīṭ, 4:392; Al-Fikar Al-Uṣūlī, 149.

19 سورۃ القیامۃ، ۷۵: ۳۶ ۔

Al-Qiyāmah, 75:35.

20 الجصّاص، الفصول فی الاصول، ۴: ۲۲۵— ۲۲۴۔

Al-Jaṣṣāṣ, Al-Fuṣūl-Fil-Uṣūl, 4:224-225.

21 ایضاً، ۴: ۲۲۶۔

Ibid, 4:226.

22 محوّلہ بالا۔

Ibidem.

23 ایضاً، ۴: ۲۳۳۔ ۲۴۳۔

Ibid, 4:233-243.

24 سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۳۶ ۔

Al-Baqarah, 2:236.

25 سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، تلویح علي التوضیح، (مصر: طبعۃ المطبعۃ الخیریۃ ۱۳۲۲ھ)، ۲: ۸۱؛ عبد الکریم زیدان، الوجیز فی اصول فقہ، اردو ترجمہ واضافہ: احمد حسن، جامع الاصول (لاہور پاکستان: مطبع مجتبائی، ۱۹۸۳ء)، ۳۷۱۔

Sa'ad al-Din Masud b. Umar Al-Tuftāzanī, Talwīḥ 'Alā Al-Twḍīḥ (Egypt: Al-Khairyah Publishers, 1322 AH), 2:81; 'Abdul Karīm Zaidān, Al-Wajīz Fī Uṣūl Al Fiqh, Urdu Translation & Addition: Aḥmad Ḥasan, Jāmi'Al-Uṣūl (Lahore: Mujtabāī Publishers, 1983), 371.